Tauseeq, Volume. 6, Issue. 2
ISSN (P) 2790-9271 (E) 2790-928X
DOI: https://doi.org/10.37605/tauseeq.v6i2.4

Received: 25-10-2025
Accepted: 05-12-2025
Published: 30-12-2025

پاکستانی خواتین کے سفر نامے: تانیثیت اور عورت کی معاشی جہتیں

Pakistani Women's Travelogues: Feminism and the Economic Dimensions of Womanhood

روبینہ*

ڈاکٹر نسرین امین

Abstract:

In Urdu literature, the travelogue is more than a record of places; it mirrors the writer's thought and social awareness. Pakistani women travel writers highlight not only their journeys but also issues of education, health, work, and social inequality. These writings reveal feminist consciousness and offer deep insight into women's socio-economic position. Feminism, as an ideology, demands women's equal role in society, politics, education, and economy. The article which is from my PhD dissertation was aimed to explore how feminist perspectives and economic dimensions emerge in Pakistani women's travelogues and to what extent the economic role of women is emphasized. Achieving these objectives, these travelogues were studied analytically from a feminist perspective, utilizing content analysis. The objective benchmarks for analyzing these travelogues were derived from various feminist theories. In this regard, Pakistani women's travelogues were used as primary sources. The findings of this research reveal that women are not confined to a single region or tradition, but are active and indispensable members of the global economy. Pakistani women's travelogues stand

---

* پی ایچ ڈی سکالر

قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور کیمپس

اسسٹنٹ پروفیسر،

قرطبہ یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی پشاور کیمپس

as evidence that the economic role of women worldwide forms an essential link, without which the very concept of social and cultural progress remains incomplete.

Keywords: Feminism, Pakistani Women, Travelogues, Socio-economic role, Education, Economy

اردو ادب میں صنف سفر نامہ محض جغرافیائی و ثقافتی مشاہدات کا بیان نہیں بلکہ اس میں لکھنے والے کی شخصیت کی فکر اور معاشرتی شعور بھی جھلکتا ہے۔ اردو ادب میں خواتین کے سفر نامے ایک اہم ادبی سرمایہ ہیں جن میں محض مناظر اور راستوں کا بیان نہیں بلکہ عورت کے ذاتی احساسات، سماجی تجربات اور فکری مشاہدات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ان سفر ناموں میں عورت کا نقطۂ نظر ایک نئی جہت پیدا کرتا ہے، کیونکہ وہ اپنے سفر کے ذریعے نہ صرف دنیا کو دیکھتی ہے بلکہ اپنی شناخت، مقام اور معاشرتی رویوں پر بھی غور کرتی ہے۔ یہی پہلو خواتین کے سفر ناموں کو ایک ادبی و سماجی دستاویز بناتا ہے جو قاری کو عورت کے مخصوص زاویۂ نظر سے معاشرے کی تصویر دکھاتا ہے۔ پاکستانی خواتین کے سفر نامے ایک طرف ذاتی مشاہدات پر مبنی ہیں اور دوسری طرف اجتماعی شعور کے مظہر بھی۔

پاکستانی خواتین سفر نامہ نگاروں نے نہ صرف اپنے سفر کے دلچسپ حالات لکھے بلکہ عورت کی زندگی سے جڑے مسائل کو بھی اجاگر کیا، جیسے تعلیم، صحت، گھریلو ذمہ داریاں، روزگار اور معاشرتی امتیاز۔ ان تحریروں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سفر نامہ محض سیاحت یا سیر و تفریح کا بیان نہیں بلکہ ایک فکری، سماجی اور تانیثی دستاویز بھی ہے۔ ان سفر ناموں میں تانیثی شعور اور عورت کی معاشی و سماجی حیثیت کے بارے میں گہری بصیرت ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی خواتین کے سفر نامے ادب کے ساتھ ساتھ معیشت، سماج اور ثقافت کی تفہیم میں بھی مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

تانیثیت ایک فکری تحریک اور نظریہ ہے جو عورت کی برابری، شناخت اور آزادی کی وکالت کرتا ہے۔ یہ تحریک اس بات پر زور دیتی ہے کہ عورت کو بھی تعلیم، روزگار اور فیصلہ سازی میں مرد کے برابر حقوق ملنے چاہییں۔ اس نظریے کی بدولت ادب میں ایسے نئے زاویے سامنے آئے ہیں جنھوں نے عورت کے مسائل، اس کی داخلی کیفیات اور سماجی جدوجہد کو مزید نمایاں کیا ہے۔ اس نظریے کا مقصد یہ ہے کہ عورت کو صرف گھریلو ذمے داریوں یا محدود معاشرتی دائرے میں قید نہ کیا جائے بلکہ اسے سماج، سیاست، تعلیم اور معیشت کے تمام میدانوں میں مساوی شمولیت ملے۔

۱۶۶۰ء سے لے کر ۱۶۶۶ء تک انقلابِ برطانیہ میں عورتوں نے بھرپور حصہ لیا۔ اس انقلاب نے عورتوں کی معاشی حالت کچھ بہتر کر دی۔ برطانوی سرمایہ دار کو محنت مزدوری کے لیے عورتوں اور بچوں کی ضرورت پڑی، اس کمی کو پورا کرنے کے لیے بے شمار عورتیں

کارخانوں اور معدنی کانوں میں کام کرنے لگیں۔ ۱۸۲۵ء میں عورتوں کی پہلی یونین قائم ہوئی: متحدہ درزی عورتوں کی یونین نیویارک۔ اسی یونین کے زیرِاہتمام ۱۸۳۱ء میں ۱۶۰۰ خواتین نے ”ہماری محنت کا منصفانہ معاوضہ“ کے لیے ہڑتال کی۔ ۱۸۷۲ء میں امریکی کانگریس نے ایک قانون منظور کرکے عورتوں کو مساوی کام کا معاوضہ دیا۔ انقلاب فرانس کی تحریک میں بھی عورتوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ ”روٹی کے فسادات“ نامی جدوجہد میں عورتیں پیش پیش تھیں۔ جب یہ انقلاب کامیاب ہوا تو اس کی نعمتوں کی تقسیم کے وقت عورتیں بالکل محروم کردی گئیں۔ ۱۸۴۰ء میں فیکٹری کی ”عورت مزدور“ کا معاوضہ مرد کے مقابلے میں محض کم ہی نہ تھا بلکہ اس کا نصف تھا۔ ۱۹۶۵ء تک فرانس کی کسی عورت کو اجازت نہ تھی کہ بینک میں اپنا ذاتی اکاؤنٹ کھولے۔ انقلابِ فرانس سے لے کر آج تک فرانسیسی عورت وہاں کے مرد کی نسبت کم تنخواہ اور کم سہولتوں کے ساتھ کام کررہی ہے۔ (۱) شاہ محمد مری اپنے مضمون ”عورت، کیپٹلسٹ عہد میں“ میں لکھتے ہیں کہ:

> ”فیوڈلزم میں عورت کو محض جائیداد تصور کیا جاتا تھا (اب بھی یہی تصور جاگیرداری معاشروں کا خاصہ ہے) لیکن جب جاگیردار معاشرے میں انڈسٹریلائزیشن کی ابتداء ہوئی تو عورت کے سماجی مقام میں تبدیلی آئی۔ اب عورت صنعتی معاشرہ کی ضروریات کے تحت ہر گھر کی چاردیواری سے باہر آکر پیداواری عمل اور صنعتی ترقی میں حصہ لینے لگی۔ لیکن یہاں بھی وہ سرمایہ دار مرد کی استحصال فطرت کا شکار ہوئی۔ اس نے فیکٹریوں میں مردوں سے کم تنخواہ پر کام کیا۔“ (۲)

کسی بھی معاشرے کی ترقی اور خوشحالی اس کے معاشی ڈھانچے سے جڑی ہوتی ہے، اور اس ڈھانچے میں عورت کی شمولیت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ تاہم عورت اکثر معاشی میدان میں نظرانداز کردی جاتی ہے، اس کے کام کو کم اہمیت دی جاتی ہے اور اسے برابر مواقع میسر نہیں آتے۔ یہی صورتِ حال عورت کے حقوق اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔

زیرِ نظر مطالعہ کو جغرافیائی لحاظ سے تین زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے جس میں اسلامی ممالک کے سفر ناموں میں وحیدہ نسیم کا حدیث دل، کوکب خواجہ (آ جیل)، اسماء ثریا (نیل کے ساحل سے لے کر)، تسنیم کوثر (مجھے اس دیس جانا ہے)، عصمت درانی (دریائے آمو کے کنارے)، آفتاب اقبال بانو (ملائیشیا کتنا حسین) قابلِ ذکر ہیں۔ یورپی ممالک کے سفر ناموں میں بلقیس ریاض کے سفر نامے (جہاں اور بھی ہیں، جہاں حسن جواں ہے)، عشرت معین سیما (اٹلی کی جانب گامزن)، سبوحہ خان (محوار کی تلاش)، منزہ نصیر (وائی کنگز کے دیس میں) اور کائنات بشیر (خاموش نظارے) شامل ہیں۔ ایشیائی اور علاقائی سفر ناموں میں بیگم اختر ریاض الدین کا سات سمندر پار، فردوس

حیدر (دائروں میں دائرے)، بشریٰ رحمن (ٹک ٹک دیدم ٹوکیو)، پروین عاطف (کرن، تتلی اور بگولے)، نجمہ افتخار راجہ (کھل جا گم سم)، نیلم احمد بشیر (نیپال نامہ)، رئیس فاطمہ (میرے خوابوں کی سرزمین) اور نائیلہ عابد کا ذوقِ سیاحت شاملِ مطالعہ ہیں۔ جب عورت سفر کے دوران مختلف معاشروں کا مشاہدہ کرتی ہے تو وہ دیکھتی ہے کہ کہیں عورت کو معاشی آزادی حاصل ہے اور کہیں اس پر پابندیاں عائد ہیں۔ یوں خواتین کے سفر نامے نہ صرف عورت کے ذاتی تجربات کو اجاگر کرتے ہیں بلکہ یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ صنفی انصاف اور معاشی ترقی ایک دوسرے کے بغیر ادھورے ہیں۔

وحیدہ نسیم کا سفر نامہ ''حدیثِ دل'' در حقیقت ان کے جذبہ وعقیدت سے بھرپور عمرے کی داستان ہے۔ حج اور عمرہ میں جہاں عبادات کا تسلسل اور احترام اور عقیدت کا جذبہ موجزن رہتا ہے وہیں ان کی بدولت معاشی ترقی ایک اہم جز ہے۔ حج اور عمرہ کے موقع پر جہاں دوسرے ممالک کے باشندے تجارت کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں وہیں سعودی عرب کی حبشی خواتین اور ان کی لڑکیوں کا روزگار بھی اس سے وابستہ ہے۔ اس حوالے سے مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

> ''حرم شریف کے باہر حبشی عورتوں کا ہجوم تھا جن کی لڑکیاں چھوٹے چھوٹے لفافوں میں دلیا لیے ہر ایک زائر کے پیچھے بھاگ رہی تھی لے لو کبوتر دانہ بی بی۔۔۔ کبوتر دانہ۔۔۔ کبوتر دانہ۔۔۔ کبوتر دانہ۔ وہ برسوں سے یہاں کبوتروں کے لئے دانہ بیچ رہی ہیں''(۳)

مصنفہ بتاتی ہیں کہ یہ لڑکیاں زائر کو دیکھ کر اس کے ملک اور زبان کا انداز لگا کر اسی زبان میں دانہ خریدنے کا کہتیں اور اپنے لئے روٹی کا بندوبست کرتیں۔

کوکب خواجہ ایران کے سفر نامے ''آجیل'' میں ایران کی عورت کی معاشی حالت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ:

> ''سیلز گرلز کے طور پر تقریباً ہر دکان پر خواتین ہی دکھائی دیتی ہیں خواہ سرکاری ڈیپارٹمنٹل اسٹورز ہوں یا نجی دونوں جگہ خواتین کثرت سے نظر آتی ہیں۔ ویسے بھی جس طرف نکل جائیں عورتیں ہی عورتیں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ ہوٹلوں کی لابی ہو یا چھوٹا موٹا کیفے ہر جگہ دو دو تین یا بعض اوقات اکیلی خاتون بھی بیٹھی کھاتی پیتی دکھائی دیتی ہے۔ یہاں کی عورت میں بلا کا اعتماد نظر آتا ہے اور مردوں کے سہارے کے بغیر بھی جینے اور خاندان کی ذمہ داری اٹھانے کا ڈھنگ جانتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے۔ یہاں عورت کا اپر ہینڈ (Upper Hand) ہے۔''(۴)

کوکب خواجہ نے ایران کی عورت کی معاشی آزادی اور خود مختاری کو نمایاں کیا ہے۔ خواتین کا کثرت سے ملازمت کرنا اور سماجی سرگرمیوں میں آزادانہ شرکت ان کے اعتماد اور خود انحصاری کی علامت ہے۔ ایرانی عورت مرد پر انحصار کرنے کے بجائے اپنی معاشی اور گھریلو ذمہ داریاں خود اٹھاتی ہے۔

سفرنامہ ''نیل کے ساحل سے لے کر'' میں ثریا اسماء نے سوڈان کی عورت کی معاشی ترقی میں کردار واضح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''سوڈانی عورت مرد کے ساتھ بہت ہاتھ بٹاتی ہے کھیتی باڑی میں، مزدوری میں، گھروں جزوقتی کام، پڑھی لکھی خواتین دفتروں، سکولوں، کالجوں ہر جگہ ہیں حتیٰ کی ایک دن ٹی وی اسٹیشن جانے کا اتفاق ہوا تو سارا کنڑول روم عورتوں کے پاس تھا دکانداری بھی کرتی ہیں بس اسی طرح زندگی گزر رہی ہے۔''(۵)

ثریا اسماء سوڈان میں عورتوں کی معاشی حالت پر بحث کرتے ہوئے سوڈان کے سفرنامے '' نیل کے ساحل سے لے کر'' میں لکھتی ہیں کہ سیاست میں بھی اور سرکاری ملازمتوں میں بھی عورت ہر جگہ موجود ہے۔ دفتروں میں تو ایک تہائی عورت ضرور ہے۔ جس شعبے میں اس کی تعلیم ہوا سے اس میں ملازمت مل جاتی ہے۔ پولیس، فوج، جامعات، کلیات، ہسپتال، ڈسپنسریاں، دفتروں اور بنکوں میں ہر جگہ عورت نظر آئے گی۔ کم پڑھی لکھی، ان پڑھ یا دیہاتی عورتیں باغبانی اور کھیتی باڑی میں بڑا کردار ادا کرتی ہیں۔ جانور چرانا، کیاریاں بنانا، بیج بونا، فصل کاٹنا، گوڈی کرنا، سٹوں میں سے دانے نکالنا، مونگ پھلی چھیل کر گریاں بنانا کوفی کے بیج نکالنا، گھروں میں کام کرنا یہ سب غریب سوڈانی عورت کے کام ہیں۔ کوئی عورت فارغ نہیں رہ سکتی۔ زندگی اتنی مشکل ہے کہ فراغت کا کوئی تصور نہیں۔ مردوں کے ساتھ ساتھ بلکہ بعض صورتوں میں مردوں سے زیادہ کام کرنا پڑتا ہے۔

ملائیشیا کے سفری روداد ''مجھے اُس دیس جانا ہے'' میں تسنیم کوثر لکھتی ہیں ملائیشیا میں سفر سے واپسی پر تیزی سے اترتی رات اور برستی برسات میں بھی یہاں خواتین بے خوف وخطر سڑک کنارے دکان داری کر رہی تھیں۔ سارنگ پہنے، سر پر اسکارف باندھے کھردری جلد اور نرم لہجے کے ساتھ اشیائے خورد ونوش بیچتی دکھائی دیں۔ یہ عورتیں ملائیشیا کا مان ہیں یہاں کوئی انہیں ہراساں نہیں کرتا۔ ملائشیا میں نوے فی صد عورتیں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں گھر اور ملک دونوں کی آسودگی کے لئے بڑے بڑے دفتروں سے لے کر چھوٹے چھوٹے ڈھابوں پر کام کرتی یہ عورتیں اپنی حدود سے بخوبی آگاہ ہیں، جو کماتی ہیں فیشن کی اندھا دھند تقلید میں اپنے بناؤ سنگھار پر خرچ نہیں کرتیں۔ ملائیشیا میں چونکہ قانون پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں کی عورت خود کو محفوظ تصور کرتی ہے:

> ''ہمارے ہاں کے اتوار بازار جیسا سماں تھا مگر۔۔۔ہلڑ بازی نہیں تھی۔ یہاں سب اپنے جذبوں کو لگام ڈالے خریداری کر رہے تھے، چینی عورتوں کی ننگی ٹانگیں اور کھلے گریباں یہاں کسی کے ایمان کو متزلزل نہیں کر رہے تھے یہی اس دیس کی کامیابی تھی اور یہی اس دیس کی عورتوں کی کامیابی تھی۔''(٦)

تسنیم کوثر نے دل ہی دل میں ان عورتوں کی عظمت کو سراہا لوگ ضرورت کی چیزیں خریدتے رہے اور وہ ان محنتی عورتوں کو دیکھتی رہی جو رات گئے تک بے خوف وخطر اپنی زندگی کی جدوجہد کے لئے کوشاں تھیں۔

سمرقند میں خواتین کے معاش کے بارے میں عصمت درانی ''دریائے آمو کے کنارے'' میں لکھتی ہیں:

> ''بازار کی خاص بات یہاں گوشت کی دکانوں پر بیٹھی خواتین قصاب تھیں جو اپنی نشست سے قدرے اچک کر مرحوم بکروں کے دار پر جھولتے برہنہ جسموں سے گوشت کی پرتیں اتار کر مڈھی پر رکھتیں اور پھر ٹوکا پکڑے نہایت چابک دستی سے بوٹیاں اور سفاکی سے قیمہ کرتیں۔ میں نے قصابنیں، بلکہ سرخی پاؤڈر والی بنی سنوری قصابنیں پہلی بار دیکھی گویا خواتین اس ملک میں ہر جگہ اہم ذمہ داریاں سنبھالے نظر آتی ہیں اہم انتظامی عہدوں سے لے کر قیمہ بنانے تک!''(٧)

عصمت درانی کے سفرنامے میں قصاب عورتوں کی عکاسی ایک غیر روایتی منظر ہے جو مردانہ پیشے کو نسائی کردار سے جوڑتا ہے۔ بازار میں قصاب خواتین کی موجودگی اس امر کو ظاہر کرتی ہے کہ عورت محض گھریلو دائرے تک محدود نہیں بلکہ مشقت اور ہنرمندی کے کام بھی انجام دے سکتی ہے۔ تانیثی نقطۂ نظر سے یہ منظر عورت کی خودمختاری اور معاشی شمولیت کی علامت ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بازاروں اور ٹرینوں میں عورتیں پھل تھال میں رکھے بیچتی نظر آئیں۔

آفتاب اقبال بانو'' ملائیشیا۔کتنا حسین'' سفرنامے میں ملائیشیا کی خواتین کی معاشی صورتحال کے حوالے سے لکھتی ہیں کہ ملائیشیا میں مرد اور عورت کو یکساں کام کے لئے یکساں تنخواہ دی جاتی ہے معاش کے معاملے میں صنفی امتیاز نہیں برتا جاتا۔ مصنفہ ملائیشیا میں چائے کے کھوکھے پر نیپال کے رہائشی لڑکے سے بات چیت کرتے ہوئے اس کے کام کے حوالے سے دریافت کرتی ہیں، جواباً وہ لڑکا مصنفہ کو اپنی تنخواہ اور کام کے بارے میں بتاتا ہے۔ وہاں پر کام کرنے والی عورتوں کے بارے میں مصنفہ پوچھتی ہیں کہ:

> ''میں نے پوچھا یہ جو کام والی عورتیں نظر آ رہی ہیں کیا ان کی تنخواہ بھی تمہارے برابر ہے؟

جی باجی یہاں عورت اور مرد کی تنخواہ ایک جیسی ہے۔''(۸)

صرف معاشی مساوات ہی نہیں بلکہ معاشرتی طور پر بھی یہاں کے لوگ پر امن اور صفائی پسند ہیں ملائیشیا لڑکیاں لڑکوں کی طرح موٹر سائیکلوں پر سفر کرتے ہوئے اپنی منزلوں کی جانب رواں دواں نظر آتی ہیں، خواتین حجاب پہنے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔

بلقیس ریاض امریکہ کی سفری داستان '' جہاں اور بھی ہیں'' امریکی مسلمان خواتین کی معاشی دوڑ دھوپ میں شامل کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتی ہیں کہ ان کی ملاقات شاپنگ سنٹر میں مسلمان انڈین عورت سے ہوتی ہے، جو کہ کاونٹر پر اپنی خدمات سرانجام دے رہی تھیں۔ مصنفہ کے پوچھنے پر عورت بتاتی ہے کہ دبئی میں سترہ سال قیام کے بعد بھائی کی امریکہ میں پڑھائی کی خواہش پر یہاں سکونت اختیار کرلی۔ سفر نامہ نگار نے یہاں ایک وفاشعار بہن کے کردار کو پیش کیا جو بھائی کی خواہش کی تکمیل کے لئے کوشاں ہے:

> ''ان بچوں کی پڑھائی کے لئے مجھے پڑھائی چھوڑنی پڑی۔۔۔ میں سب بہن بھائیوں سے بڑی ہوں والدین وفات پا چکے تھے۔ ان کی خاطر ملک کو چھوڑا... ویسے بھی ہندوستان ہمارا ملک تو نہیں ہے... وہاں رہنے سے تو بہتر تھا کہ دوبئی رہ لیا جاتا۔۔۔ میں ان کو لیکر دوبئی چلی گئی۔ اور اب چھوٹے بھائی امریکہ میں پڑھنا چاہتے تھے تو میں نے فیصلہ کر لیا کہ ہم امریکہ سیٹل ہو جائیں گے۔۔۔ اب یہاں پر ہوں۔ اب تک شادی نہیں کی۔ ان لوگوں کی ذمہ داری میرے کندھوں پر ہے"(۹)

بلقیس ریاض نے امریکی عورت کو حاصل معاشی حقوق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ لوگ اور خاص طور پر عورتیں کسی بھی کام کو عیب نہیں سمجھتے۔ ہر طرح کے کام یہ لوگ کر لیتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے وہ کام خاص مردوں کے کرنے کے ہوتے ہیں امریکی خواتین وہ کام بخوبی سرانجام دیتی دکھائی دیتی ہے۔ ان میں خود مختاری کا احساس نمایاں ہے۔

سفر نامہ '' جہاں حسن جوان ہے'' میں بلقیس ریاض نے ڈائننگ ہال کا منظر پیش کیا ہے۔ جہاں مہمانان گرامی کھانے پینے میں مصروف ہیں۔ ویٹرس لڑکیاں بڑی پھرتی سے خالی میزوں سے کراکری اٹھانے میں مصروف ہیں۔ ایک دبلی پتلی لڑکی جس نے ڈھیر ساری پلیٹیں اٹھا رکھیں تھیں، پلیٹوں کے بوجھ کی وجہ سے بُری طرح سے فرش پر پھسل گئی۔ ساری پلیٹیں ٹوٹ گئیں اور وہ لڑکی بُری طرح سے فرش پر گر گئی۔ وہ لڑکی خوف زدہ ہو کر ان پلیٹوں کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر خوف طاری تھا۔ جرمانے کے خوف سے اس کا چہرہ مرجھا رہا تھا ۔ مصنفہ نے اس سے پوچھا کہ:

> ''تم کیوں پریشان ہو۔''

> ''مجھ سے نقصان ہو گیا ہے دراصل مجھے اس نوکری پر آئے ہوئے چند روز ہوئے ہیں۔''
>
> ''تم نے پلیٹیوں کا بہت بوجھ اٹھایا ہوا تھا زیادہ بار اٹھانے سے تمہارا پاؤں پھسلا ہے۔''
>
> ''جی میڈم دعا کریں میری نوکری سلامت رہے۔''(۱۰)

اس لڑکی کو اپنے گرنے، چوٹ لگنے، زخمی ہونے کے باوجود اسے اپنی نوکری کی فکر تھی۔ بلقیس ریاض کے پوچھنے پر بتایا وہ ساری رات صبح کالج میں ٹیسٹ کی تیاری کے لئے جاگتی رہی ہے اور پھر صبح اس نے ناشتہ بھی نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ اب اس بے چاری کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ درجنوں کے حساب سے اس سے پلیٹیں ٹوٹ گئیں، نہ جانے کتنی رقم اس کی تنخواہ سے کاٹی جائے گی۔

عشرت معین سیما اٹلی کی سفری داستان ''اٹلی کی جانب گامزن'' میں بتاتی ہیں کہ اٹلی میں دو ہفتے گزارنے کے بعد انہوں نے گھر والوں کی یاد اور فطری محبت سے مغلوب ہو کر واپسی کا ارادہ کر لیا۔ اس حوالے سے انہوں نے یونیورسٹی کی انتظامیہ کو درخواست لکھ ڈالی ان کی توقعات کے برعکس یونیورسٹی انتظامیہ نے وہ درخواست قبول کر لی۔ مصنفہ ایک بار پھر اٹلی میں خاندان کی اہمیت کے حوالے سے بہت متاثر ہوئیں۔ اس بات کا موازنہ وہ جرمن معاشرے سے کرتی ہیں کہ جرمنی میں چھوٹے بچوں کی ماؤں کو جاب کے سلسلے میں اکثر ناکامی کا سامنا رہتا ہے، ایک جاب انٹرویو کے دوران ان سے ان کی فیملی پلاننگ جیسے ذاتی سوالات پوچھے گئے۔ جن کے جوابات کے نتیجے میں ان کو وہ جاب نہ ملی۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ جرمنی میں خواتین کی جاب کے انٹرویو کے دوران جنسی احتیاطی تدابیر اور خاندانی منصوبہ بندی کے حوالے سے کھل کر سوالات کئے جاتے ہیں۔ مصنفہ جرمن اداروں کی اس روایت پر افسوس کا اظہار کرتی ہیں:

> ''اس قسم کے قوانین بنانے والی اور ان گولا گو کروانے والی زیادہ تر خواتین ہی ہیں مگر ان میں اکثریت ان خواتین کی ہے جن کی اولاد یا تو بڑی ہو چکی ہیں یا سرا سر وہ اولاد کو جنم دینے یا اس کی تربیت کے مرحلے سے نہیں گزری ہیں افسوس کہ عورتوں کے ساتھ عورتوں کا یہ رویہ شدید بین الاقوامی ہے اور عورتوں کے ہاتھوں عورتوں کا استحصال بھی۔''(۱۱)

مندرجہ بالا اقتباس میں سفر نامہ نگار نے واضح کیا ہے جرمنی تانیثیت کی تحریک کے حوالے سے اولین علم برداروں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن وہاں پدرسری نظام کے برعکس عورت کا استحصال عورت کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔

سبوحہ خان کینیڈا کے سفر کا قصہ ''محور کی تلاش''، میں لکھتی ہیں:

> کہ ان کے بیٹے کے اسکول کی دوست کے والدین ان سے ملنے ان کے گھر آتے ہیں۔ یہ لوگ اصل میں کولمبیا کے باشندے ہیں ہجرت کر کے کینیڈا آ کر آباد ہوئے ہیں۔ بچے کی ماں لورا ایک کامیاب ڈینٹسٹ تھی اور اس کا شوہر الوارو ایک کامیاب آرکیٹیکٹ تھا۔ ان کے ملک کے حالات خراب ہوتے گئے تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کینیڈا ہجرت کر لی۔ کینیڈا آ کر ان کی کولمبیا میں کامیاب ڈگریاں یہاں کسی کام کی نہ تھیں۔ سب سے بڑی مشکل ان کے لیے انگریزی زبان تھی جس پر لورا اور اس کے شوہر نے زبان سیکھ کر قابو پا لیا۔ تلاشِ روزگار کے سلسلے میں لورا کو اسکول کی بس چلانے کا کام مل گیا اور اس کے شوہر کو آرکیٹیکٹ کے یہاں ریسپیشن پر کام مل گیا۔ مصنفہ نے جب ان سے کولمبیا کے حالات جاننا چاہے تو لورا نے بتایا کہ گوریلاز کی حکومت مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ حکومت اور پولیس بے بس تھی انھیں اب اپنے وطن کی یاد آتی ہے۔ کیونکہ کولمبیا میں ایک کامیاب ڈاکٹر تھی۔ مگر آج اپنے بچوں کے بہتر مستقبل کی خاطر سکول بس چلاتی ہے۔ (۱۲)

منزہ نصیر اپنے سفر نامے ''وائی کنگز کے دیس میں'' میں سویڈن کے مرد و عورت کے روایتی کرداروں کی الٹ پھیر کو نمایاں کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کردار کسی ایک جنس تک محدود نہیں رہتے بلکہ حالات کے مطابق بدل سکتے ہیں۔ یہاں عورتیں مشقت اور بوجھ اٹھانے کے عمل میں سرگرم ہیں جبکہ مرد بچوں کی پرورش اور گھریلو ذمے داریوں میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ منزہ نصیر اپنے سفر نامے ''وائی کنگز کے دیس میں'' لکھتی ہیں:

> ''بائیسائیکلوں پر آتی جاتی عورتیں سامان کے بھاری تھیلوں کو اٹھا کر لے جاتی ہوئی عورتوں سے زیادہ مرد نظر آتی ہیں بچہ گاڑیاں دھکیلتے اور روتے دھوتے نونہالوں کو بہلاتے ہوئے مرد باپ سے زیادہ ماں دکھائی دیتے ہیں'' (۱۳)

صنعتی دور کے آغاز کے بعد جب مغرب میں کام کرنے والوں کی ضرورت بڑھ گئی تو عورتوں کو بھی گھر سے نکل کر دفتروں، فیکٹریوں اور بازاروں کا رُخ کرنا پڑا۔ مادی ترقی کی راہ پر گامزن اہل مغرب نے مذہب سے بیگانہ ہو کر چرچ کا رُخ کرنا چھوڑ دیا۔ انہوں نے صرف اور صرف کام کو اپنا مذہب قرار دیا اور کام کے لئے مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ اس نظام نے عورت کی نسائیت کو ختم کر دیا تھا۔ اہل مغرب مرد اور عورت کے خانوں میں تقسیم ہونے کے بجائے صرف ورکر بن کر رہ گئے اور اس کا اثر آج بھی مغربی ماحول پر موجود ہے۔

کائنات بشیر نے کینیڈا میں خواتین کی معاشی صورتحال پر بحث کرتے ہوئے اپنے سفرنامے '' خاموش نظارے'' میں بتایا ہے کہ:

> کینیڈا میں مہنگائی کی وجہ سے بیشتر فیملی ممبرز کمانے میں مصروف رہتے ہیں۔ ادھیڑ عمر کی عورتیں بھی اپنے مطلب کا کام ڈھونڈ لیتی ہیں۔ یہ عورتیں بے بی سٹنگ، کپڑے سینے والی فیکٹری میں ملازمت، گھروں میں بیٹھے ناشتہ اور کھانے بنانا اور سلائی کرنے کا کام جذبے سے کرتی ہیں۔ ان میں سے کئی خواتین نے اپارٹمنٹس میں رہ کر گزارا کیا، فیکٹریوں میں کام کر کے بچت کی، آج وہ اپنے گھر کی مالک ہیں اور آسودہ حال ہیں۔ (۱۴)

بیگم اختر ریاض الدین نے جاپانی قوم کو سخت جان، جفاکش اور محنتی قوم پایا ہے۔ یہاں کے صعنت کار، سرکاری ملازم، خاندان کا بچہ بچہ کام کرتا اور کمانے میں عار نہیں سمجھتا۔ ایسے میں جاپان کی عورت بھی کسی سے کچھ کم نہیں جاپان کی عورت صنعت کا دایاں بازو ہے اور اپنے فالتو وقت میں نوکریاں کرتی ہے۔ ان ہی عورتوں کے بل پر گھریلو صنعتیں چل رہی ہیں۔ ''سات سمندر پار'' سفرنامے کی لکھاری بیگم اختر ریاض الدین نے روسی نظامِ تعلیم کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہاں کا تعلیمی نظام تقریباً پورے ملک میں یکساں ہے معیار تعلیم بلند ہے روس طالب علم سے سکول اور گھر میں دونوں جگہ بڑا سخت کام لیا جاتا ہے سفرنامہ نگار نے روس کے اساتذہ کے عہدے اور گریڈ کے حوالے سے روسی حکومت کے خوش آئند اقدامات کا ذکر کیا ہے تعلیم کے میدان میں مرد اساتذہ کے ساتھ خواتین اساتذہ کی خدمت کو سراہا ہے:

> ''محکمہ تعلیم میں عورتیں نے حکومت کا سب سے زیادہ ہاتھ بٹایا ہے تمام اساتذہ میں 70 فی صد عورتیں ہیں وہاں کی عورتیں اگر مردوں کی نسبت زیادہ کام نہیں کرتیں تو ان کے برابر ضرور کام کرتی ہیں اس طرح وہ قومی بوجھ کی حصہ داری میں برابر کی شریک ہیں۔ ''(۱۵)

فردوس حیدر کے تھائی لینڈ کے بارے میں تحریر کردہ سفرنامے '' دائروں میں دائرے'' میں اہم نسوانی کردار نوائے مصنفہ فردوس حیدر کو مساج سنٹر دکھانے لے گئے۔ فردوس حیدر کے خیال میں یہ صرف مالش کرنے کا مرکز ہو گا لیکن وہاں نیم عریاں لڑکیاں گاہکوں کے انتظار میں کاروباری انداز میں مسکراہٹیں بکھر رہی تھیں۔ مصنفہ نے شیشے کے کمرے میں بیٹھی لڑکیوں پر طائرانہ نگاہ ڈالی، ان لڑکیوں کو پیسہ کمانے کی مشین کی علامت بنتے دیکھ کے مصنفہ کا دل رو رہا تھا۔ اس حوالے سے فردوس حیدر لکھتی ہیں:

> "یہ عورت کی تضحیک ہے میرا دل رو رہا تھا عورت جو ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے، بیوی ہے، محبوبہ ہے یہاں آکر کچھ بھی نہیں رہتی، منڈی میں نیلامی کا مال بن کے اس کے سری پائے اور کئی دیگر اعضاء کو مدنظر رکھ کر فروخت کیا جاتا ہے۔ "(۱۶)

نوائے ایک مقام پر فردوس حیدر کو اپنی بہنوں سے ملانے لے جاتی ہے، اس کی بہنیں جو ابھی کم عمر تھیں گھر کی کفالت کے لیے ہاتھ پاؤں چلا رہی تھیں لیکن ان کی آمدنی کا بڑا ذریعہ نوائے کا مساج سنٹر میں ملازمت تھی۔ اور یہ کام نوائے نے صرف اپنی بہنوں کی تحفظ کی خاطر اختیار کیا تھا۔ اس سفر نامے میں مصنفہ نے نوائے کو ایک ذمہ دار بیٹی اور بہن کے روپ میں دکھایا ہے کہ وہ اپنی ذات کی توڑ پھوڑ کے باوجود بھی ان کو تحفظ فراہم کئے ہوئے تھی۔ وہ اپنے خاندان کی مثالی لڑکی تصور کی جاتی ہے لیکن اندر سے وہ کس قدر بے بس اور دکھی تھی اس کا اندازہ مصنفہ کو بخوبی تھا۔

فردوس حیدر نے تھائی لینڈ کے ہر شعبہ میں عورت کی موجودگی کا ذکر کیا ہے کہ تھائی لینڈ کی عورت زندگی کے ہر شعبے پر چھائی ہوئی ہے۔

> "جھینگے اور گوشت کی بدبو سے بے نیاز خوبصورت لڑکیاں پورے میک اپ سے لیس ہو کر اپنے کام میں مصروف نظر آتی ہیں۔ سب دوکانیں ایک جیسی ہیں لڑکیاں ہی لڑکیاں۔" (۱۷)

یہ لڑکیاں صبر آزما حد تک محنتی ہیں بنکوں، دفتروں، ڈیپارٹمنٹ سٹورز، سبزی کی دکان، پنساری کی دکان، چھابڑی اور ٹھیلے کی مشقت تک عورت ہی عورت نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ گوشت کی مارکیٹ میں ہنر مندی سے گوشت کاٹتی نظر آتی ہے۔

بشریٰ رحمٰن اپنے سفر نامے "ٹک ٹک دیدم ٹوکیو" میں اپنے میزبان مسٹر تاشیرو کی زبانی جاپان کی عورت کی معاشرتی اور معاشی حالت سے قارئین کو آگاہ کرتی ہیں کہ دوسری جنگ عظیم کے فوراً بعد جاپان کے دانشوروں نے جنگ کے باعث مردوں کی ہلاکت کی بناء پر اس کمی کو پورا کرنے کے لئے عورتوں کو گھر سے باہر نکال لیا تھا۔ مصنفہ نے جب اپنے میزبانوں سے دریافت کیا کہ کیا شادی کے بعد بھی خواتین ملازمت کرتی ہیں تو ان کی گائیڈ سومیکو فوجی والا نے بتایا کہ:

> "جو لوگ اپنا معیار زندگی بلند کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی بیویوں کو ملازمت کی اجازت دے دیئے ہیں مہنگائی دن بدن زیادہ ہو رہی ہے رہائش یہاں ایک بڑا مسئلہ ہے اس لیے زیادہ بچے پیدا کرنے کا رجحان نہیں۔ جاپانی عورت ایک یا دو سے زیادہ بچے نہیں پیدا کرتی۔"(۱۸)

جنگ سے پہلے عورتیں صرف چند پیشوں (استانی، نرس یا ٹیلی فون آپریٹر) سے منسلک تھیں جنگ کے بعد ان خواتین کو مجبور کیا گیا کہ وہ دفتروں اور فیکٹریوں میں کام کریں۔ اب یہاں کی اَسی فیصد عورتیں دفتروں میں کام کرتی ہیں۔ پیسہ کما کر اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارتی ہیں۔

پروین عاطف بنکاک کی سیر کرتے ہوئے ''کرن، تتلی اور بگولے'' میں تھائی لینڈ کی عورت کے حوالے سے بتاتی ہیں کہ تھائی عورت قومی تعمیر و ترقی میں مثبت کردار ادا کر رہی ہے اس ضمن میں مصنفہ لکھتی ہیں کہ:

> ''ان کی زندگی کی بھاگ دوڑ بیشتر میدانوں میں صنفِ نازک کے ہاتھ میں ہے بینک کپڑے کی دکانیں، سنیک بارز، درزی کی دکان، سبزی والی، ٹیکسی ڈرائیور، سینما کی گیٹ کیپر، کشتی رانی، گھر والی غرض زمین کا کوئی ایسا چپہ ہمیں نظر نہیں آیا جہاں صنفِ نازک زندگی سے باہر ہو بلکہ کہیں کہیں تو احساس ہوتا تھا کہ مرد وہاں جملہ معترضہ ہیں۔ حیرت صرف اس بات پر ہوئی کہ وہاں کے مردوں کو اپنے جملہ معترضہ ہونے پر ذرہ بھر بھی کوئی اعتراض نہیں، زندگی کے ہر شعبے میں عورت کی اس قدر حصہ داری سے نہ ان کے آنگن سونے ہوئے ہیں نہ قوم کہ انا پاش پاش ہوئی ہے نہ کسی کی حمیت کی دھجیاں اڑی ہیں۔''(۱۹)

نجمہ افتخار نے تھائی لینڈ اور جاپان کے سفر نامے '' سایونارا'' میں تھائی لڑکیوں میں تعلیم جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ ذریعہ معاش کی فکر کا بھی عکس نظر آتا ہے۔ تھائی لینڈ کی سیر کے دوران مصنفہ کو فلاٹنگ مارکیٹ کا تجربہ ہوا جس میں کشتی میں روزمرہ کی چیزیں فروخت کی جاتی تھی۔ سیر کے دوران نجمہ افتخار کی کشتی کے برابر پھل بیچنے والی لڑکی کی کشتی ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔ یہ لڑکی ملگجے سے تھائی لباس میں ملبوس تھی۔ مصنفہ کی گائیڈ کے کہنے پر وہ ان کی کشتی میں سوار ہو گئی۔ اصل میں گائیڈ خاتون اسی لڑکی کا انٹرویو لینا چاہتی تھی جس کا لب لباب مصنفہ نے کچھ یوں بیان کیا ہے:

> "وہ لڑکی یونیورسٹی کی طالبہ تھی اور اپنی نانی کے گھر میں لگے چند درختوں کا تازہ پھل بیچنے اکثر نکل آتی تھیں۔ کہ اس کی نانی کا ذریعہ معاش یہی تھا۔ یہ چھوٹے چھوٹے جذبے انسان کو کتنا بڑا بنا دیتے ہیں۔ میں نے تنکوں کے پیٹ میں چھپی کالی کالی آنکھوں میں جھانکا تا کہ اس وسعت نظر کی ایک جھلک پا سکوں جو اس کے جذبوں کی ودیعت کردہ تھیں۔"(۲۰)

صرف یہی لڑکی نہیں ایسی بے شمار کشتیوں کے پتوار صنف نازک کے ہاتھ میں تھے۔ کسی پر پھل، کسی پر سبزی، کسی پر پنساری اور کسی پر تازہ پھولوں کے گجرے کی دکان تھیں۔ اور یہی صنف نازک معاش کی خاطر تیرتی مارکیٹ میں اپنی اپنی دکان سجائے بیٹھی تھی۔ یہاں کی عام عورت مرد کے شانہ بشانہ کام کرتی ہے۔ کشتی چلانے سے لے کر ہوٹل چلانا اور تھائی سلک بیچنے سے پکوڑے بیچنے تک عورت بلا تخصیص ہر کاروبار میں کام کر رہی ہے۔

نیلم احمد بشیر نے اپنے نیپال کے سفر نامے "نیپال نامہ" میں معاشی صورتحال کو واضح کرتے ہوئے نیپالی عورتوں کے ساتھ روا رکھے گئے معاشی امتیاز پر لکھا ہے کہ جس ہوٹل میں ان کا قیام تھا اس کے قرب میں ایک اور ہوٹل تعمیر ہو رہا تھا۔ ہوٹل کی تعمیر میں مزدوروں میں نیپالی عورتیں تعداد میں زیادہ تھیں۔ مرد اکا دکا ہی تھے۔ نیپالی عورتیں لمبی لمبی ٹوکریوں میں اینٹیں بھر بھر کر مزدوری کرتی نظر آ رہی تھیں۔ سفر نامہ نے جب ہوٹل کے ہیڈ ویٹر سے پوچھا کہ اتنا بھاری کام آپ کے مردوں کے بجائے عورتیں کیوں کر رہی ہیں تو ویٹر کے جواب کہ ہمارے یہاں مزدوری کا کام زیادہ تر عورتیں ہی کرتی ہیں، اس جواب پر نیلم احمد بشیر حیران رہ گئیں۔ مصنفہ نے نیپال میں عورتوں کے ساتھ اس معاشی استحصال کے بارے میں کچھ لکھا ہے کہ:

> "ہمارے پاکستان میں کم از کم تعمیراتی کام تو زیادہ تر مرد مزدور ہی کرتے ہیں۔ دیہاتی عورت دیہات میں بہت قسم کے کام کرتی ہیں۔ مگر نیپالی عورت تو خالص مردوں کے کام کر رہی تھی۔ باتوں باتوں میں اس نے مجھے جو کچھ بتایا اس سے یہی معلوم ہوا کہ وہاں بھی عورتوں کے ساتھ خاصا امتیازی سلوک روا رکھا جاتا ہے یعنی سبھی پسماندہ ملکوں کی طرح عورت وہاں بھی پسی ہوئی، راندہ درگاہ ہے۔"(۲۱)

سفر نامہ " میرے خوابوں کی سرزمین" میں رئیس فاطمہ نے دہلی کی مارکیٹ میں عورتوں کے راج کرنے کے حوالے سے لکھا ہے یہاں سبزی بیچنے والی بھی عورت تھی اور چوڑیوں کی دکانوں میں بھی اکثریت عورتوں کی تھی جو اپنے بیٹوں، بھائیوں اور شوہروں کے ساتھ کاروبار شروع کرنے سے پہلے پوجا کرتی ہیں۔ مصنفہ آگے چل کر احمد آباد کے بازار کا ذکر کرتی ہیں کہ یہاں بھی عورتوں کا راج ہے۔ خاص کر سبزی اور ترکاری وغیرہ عورتیں ہی بیچتی دکھائی دیتی ہیں۔ مصنفہ نے جب اس کی وجہ جاننی چاہی تو معلوم ہوا کہ:

> "جب یہاں فسادات ہوتے ہیں اور کرفیو لگتا ہے تو ضروریات زندگی کی چیزیں لینے کے لئے صرف خواتین کو نکلنے کی اجازت ہوتی ہے مرد گھر پر رہتے ہیں۔ جب مسلسل کئی کئی دن کرفیو رہنے لگا تو فاقہ کشی تک نوبت آگئی لہٰذا اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے عورتوں نے کاروبار سنبھال لیا پھر یہ سلسلہ ایسا چلا کہ چلتا ہی رہا۔"(۲۲)

رئیس فاطمہ نے اس اقتباس میں بھارتی خواتین کی معاشی حالت کو بہتر بنانے میں عورت کے کردار کو اجاگر کیا ہے کہ سخت سے سخت حالات میں بھی عورت کس طرح اپنے گھر والوں کی کفالت کا ذمہ اٹھائے ہوئے ہے۔

سبوحہ خان'' محور کی تلاش'' میں کراچی میں ایک محفل کا ذکر کرتے ہوئے ایک ایسی خاتون کا ذکر کیا ہے جنھوں نے اپنی زندگی گورنمنٹ کے محکموں میں گزاری اور اسی سلسلے میں ملک کے اندرونی علاقوں میں بھی رہی تھیں۔ انہوں نے اپنی گفتگو میں ان بچیوں کے مسائل کا ذکر کیا جو گھروں سے کام کے لئے نکلتی ہیں ان میں سب سے خوفناک کہانی خضدار کی ایک عورت کی کہانی تھی۔ اس کے شوہر کے ہل چلانے والے دو بیلوں میں سے ایک بیل مر گیا اور وہ اس بیل کی جگہ ہر صبح اپنی بیوی کو جودتا تھا اور بیل کے ساتھ ساتھ وہ عورت بھی ہر صبح ہل کھینچتی تھی، اگرچہ ہل کا زیادہ بوجھ بیل سنبھالتا تھا۔ مگر پھر بھی اس کے قدم ڈگمگاتے تھے مصنفہ اس بارے میں سوچتی ہیں کہ :

> ''اس کی پہچان یہی ہے کہ وہ تیسری دنیا کے ایک غریب ملک کی عورت ہے اس کی ماں بھی اس زمین میں دفن ہے اسی سوندھی مٹی میں جس کو وہ اپنے کاندھے پر رکھے ہل سے کھودتی ہے۔ اسی مٹی کی خوشبو اس کے جسم میں رچی بسی ہے اور یہی زمین اس کے راکھ راکھ چہرے کی ہر لکیر میں لہو بکھرتی ہے۔ زمین جو ماں ہے کیا اس عورت کے اس بیگار کا کوئی شاہد ہے؟ کیا اس بیگار کی کوئی قیمت ہے؟ سوائے ہر آنے والی رات کا کرب، چند گھونسے اور چند لاتیں اور پھر اگلی صبح۔۔۔۔''(۲۳)

مصنفہ اس حوالے سے لکھتی ہیں ہمارے ملک میں عورت، محض ایک چیز ہے اس کی زندگی کے فیصلے کرنے والے دوسرے ہوتے ہیں اور وہ عورتیں جو اپنے فیصلے خود کرتی ہیں معاشرے میں عزت کی نظر سے نہیں دیکھی جاتیں۔

نائیلہ عابد پاکستان شمالی علاقہ جات کے سفر نامے ''ذوق سیاحت'' میں کریم آباد میں ناشتہ کرنے کی غرض سے ایک دکان میں داخل ہوئیں۔ اتنے میں ایک عورت دکان سے باہر آئی اور ان کے ناشتہ کا آرڈر لیا۔ مصنفہ نے دیکھا کہ اس دکان میں دو خواتین کام کر رہی ہیں۔ ایک مالکن تھی دوسری عورت مددگار تھی۔ مالکن کی عمر لگ بھگ 35 سال تھی اس عورت نے مصنفہ کو ناشتہ پیش کیا۔ دوران گفتگو دکان کی مالکن نے بتایا کہ وہ جاپان سے PHD کر کے آئی ہے۔ یہ سن کر مصنفہ حیرت زدہ ہو کر سوچتی ہیں کہ اتنی تعلیم یافتہ عورت اور یہاں پر ایک چھوٹی سی کچی مٹی کی بنی دکان کے اندر چھوٹا سا ڈھابہ چلا رہی ہے۔ مصنفہ اس حوالے سے لکھتی ہیں کہ :

> ''مزید اس نے بتایا کہ یہاں سب لوگ تعلیم یافتہ ہیں ہم تعلیم نوکریاں کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے شہر کو بہتر بنانے کے لئے حاصل کرتے ہیں۔ ''(۲۴)

مصنفہ اس عورت کی باتیں سن کر متاثر ہوتی رہیں کہ اتنی کوالیفائیڈ ہونے کے باوجود کسی بڑی کمپنی میں نوکری کرنا پسند نہیں کی۔ ان خاتون کے علاوہ مصنفہ نے حسینی برج سے تعلق رکھنے والی ایک عورت کا ذکر کیا ہے۔ جو اپنے شوہر کا معاشی روزگار میں ہاتھ بٹا رہی تھی۔ یہ عورت ایک کافی شاپ چلا رہی تھی لوگوں کو چائے سرو کرنے کا کام یہ خاتون کر رہی تھی۔ اس کی عمر 40 سال کے قریب تھی۔ لیکن وہ کافی چاق و چوبند تھی، بھاگ دوڑ کا کام کرنے کی وجہ سے وہ کافی تندرست اور فٹ تھی۔ مصنفہ کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ اس کی بڑی بیٹی سکالر شپ پر یونیورسٹی آف لاہور، میں زیر تعلیم ہے اور وہ خاص طور پر اپنی بیٹی اور دوسرے بچوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے لئے پر عزم ہیں۔

پاکستانی خواتین کے سفر ناموں میں تانیثیت اور معیشت کے پہلو ایک ہم آہنگ رَو کی صورت میں ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ یہ سفر نامے محض سیاحت کی روداد نہیں بلکہ نسائی شعور کا تحریری بیان ہیں جو عورت کے معاشی کردار کو مختلف تہذیبوں اور معاشروں کے تناظر میں نمایاں کرتے ہیں۔ سعودی عرب کی معیشت میں غریب بچیوں کی روزی روٹی کا کرب، ایران کی دکانوں میں خود اعتماد خواتین کی فعالیت، ملائیشیا میں مساوی تنخواہوں کا تصور، امریکہ و یورپ میں عورت کی معاشی آزادی، اور ایشیائی ممالک میں خواتین کی مزدورانہ جدوجہد، یہ تمام مشاہدات اس امر کے عکاس ہیں کہ عورت کسی ایک خطے یا روایت تک محدود نہیں، بلکہ عالمی سطح پر معیشت کا فعال اور ناگزیر رکن ہے۔ سفر نامہ نگار خواتین نے عورت کی معاشی جدوجہد کو تانیثی تناظر میں دیکھتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ ہر ثقافت میں عورت کی موجودگی ایک نئی سماجی و معاشی معنویت پیدا کرتی ہے۔

ان سفر ناموں کے تجزیے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ عورت کا معاشی کردار صرف معاونت تک محدود نہیں بلکہ ترقی کے عمل کا امین ہے۔ چاہے جاپان و روس میں صنعتوں کی پشت پر عورت کی محنت کار فرما ہو، نیپال کی مزدور خواتین اینٹوں کے بوجھ تلے اپنی زندگی کی گاڑی کھینچ رہی ہوں، یا پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں تعلیم یافتہ خواتین اپنے علاقے کی ترقی میں مصروف ہوں، ہر عکس عورت کی معاشی جدوجہد اور استقامت کا استعارہ ہے۔ ان سفر ناموں کے تجزیاتی مطالعہ سے واضح ہے کہ عورت محض کمزور اور محتاج وجود نہیں بلکہ ایک باوقار اور تخلیقی ہستی ہے جو اپنے عزم و محنت کے ذریعے سماج کی معیشت کو جِلا بخشتی ہے۔ یوں پاکستانی خواتین کے سفر نامے اس بات کا ثبوت ہیں کہ عالمی سطح پر عورت کا معاشی کردار ایک ایسی کڑی ہے جس کے بغیر سماجی اور تہذیبی ارتقا کا تصور نامکمل رہتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ شاہ محمد مری، عورت، کیپٹلسٹ عہد میں، مشمولہ: اردو ادب اور تانیثیت، لاہور: کتابی دنیا، ۲۰۲۴ء، ص۷۶۔۷۷

۲۔ ایضاً، ص۷۹

۳۔ وحیدہ نسیم، حدیثِ دل، کراچی: غضنفر اکیڈمی پاکستان، ۱۹۸۰ء، ص۔۱۷۷

۴۔ کوکب خواجہ، آجیل، لاہور: نواز پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۰ء، ص۔۱۷۵

۵۔ ثریا اسماء، نیل ساحل سے لے کر، لاہور: ادارہ بتول، ۲۰۰۵ء ص۔۳۹

۶۔ تسنیم کوثر، مجھے اُس دیس جانا ہے، لاہور: اُردو اکیڈمی پاکستان، ۲۰۲۱ء، ص۔۱۳۲

۷۔ عصمت درانی، دریا آمو کے کنارے، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۲ء، ص۔۱۱۹

۸۔ آفتاب اقبال بانو، ملائشیا۔۔۔ کتنا حسین، اسلام آباد: ضیاء سنز پرنٹرز، ۲۰۲۳ء، ص۔۶۲

۹۔ بلقیس ریاض جہاں اور بھی ہیں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز۱۹۹۷، ص۔۳۷

۱۰۔ بلقیس ریاض، جہاں حسن جوان ہے، لاہور: مقبال اکیڈمی، ۲۰۰۲ء، ص۔۴۱

۱۱۔ عشرت معین سیما عشرت معین سیما، اٹلی کی جانب گامزن، طبع زی کام ۲۰۱۵ء، ص۸۸

۱۲۔ سبوحہ خان، محور کی تلاش، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۷ء، ص۔۵۳

۱۳۔ منزہ نصیر، وائی کنگز کے دیس میں، لاہور، چوھدری بکس، ۲۰۱۹ء، ص۔۷۹

۱۴۔ کائنات بشیر، خاموش نظارے، لاہور: انہماک پبلیکیشنز، ۲۰۱۹ء، ص۔۱۰۰

۱۵۔ بیگم اختر ریاض الدین، سات سمندر پار، لاہور: مکتبہ اردو، ۱۹۶۹ء، ص۔۹۵

۱۶۔ فردوس حیدر، دائروں میں دائرے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۵ء، ص۔۵۰

۱۷۔ ایضاً، ص۔۷۴

۱۸۔ بشریٰ رحمٰن، ٹک ٹک دیدم ٹوکیو، لاہور: وطن دوست لمیٹڈ، ۱۹۸۹ء، ص۔۱۶

۱۹۔ پروین عاطف، کرن تتلی اور بگولے، لاہور: جنگ پرنٹنگ پریس، ۱۹۸۷ء، ص۳۰۔۳۱

۲۰۔ نجمہ افتخار راجہ، سایونارا، ملتان: بیکن بکس، ۱۹۸۹ء، ص۔۴۸

۲۱ ۔ نیلم احمد بشیر، نیپال نامہ، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص۔۸۰

۲۲۔ رئیس فاطمہ، میرے خوابوں کی سرزمین، کراچی: نوبہار پبلیکیشنز، ۲۰۰۸ء، ص۔۹۱

۲۳۔ سبوحہ خان، محور کی تلاش، کراچی: اکادمی بازیافت، ۲۰۱۷ء، ص۔۲۰۵

۲۴۔ نائیلہ عابد، ذوق سیاحت، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۲ء، ص۔۵۸

References:

1. Shah Muhammad Mari, Aurat, Capitalist Ahd Mein, in: Urdu Adab aur Taneesiyat, Lahore: Kitabi Dunya, 2024, pp. 76–77.
2. Ibid, p. 79.
3. Waheeda Naseem, Hadees-e-Dil, Karachi: Ghaznfar Academy Pakistan, 1980, p. 177.
4. Kaukab Khawaja, Ajeel, Lahore: Nawaz Printing Press, 2000, p. 175.
5. Surayya Asma, Neel ky Sahil Se Lekar, Lahore: Idara Batool, 2005, p. 39.
6. Tasneem Kausar, Mujhe Us Des Jana Hai, Lahore: Urdu Academy Pakistan, 2021, p. 132.
7. Ismat Durrani, Darya Amo Ke Kinare, Lahore: Fiction House, 2022, p. 119.
8. Aftab Iqbal Bano, Malaysia… Kitna Haseen, Islamabad: Zia Sons Printers, 2023, p. 62.
9. Balqees Riaz, Jahan Aur Bhi Hain, Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1997, p. 37.
10. Balqees Riaz, Jahan Husn Jawan Hai, Lahore: Maqbal Academy, 2002, p. 41.
11. Ishrat Muin Seema, Italy Ki Janib Gamzan, Published by Zi Com, 2015, p. 88.
12. Sabooha Khan, Mehwar Ki Talash, Karachi: Academy Bazyaft, 2017, p. 53.
13. Munazza Naseer, Wai kings Ke Des Mein, Lahore: Chaudhry Books, 2019, p. 79.
14. Kainat Basheer, Khamosh Nazaare, Lahore: Inhimak Publications, 2019, p. 100.
15. Begum Akhtar Riazuddin, Saat Samundar Par, Lahore: Maktaba Urdu, 1969, p. 95.
16. Firdous Haider, Dairon Mein Daire, Lahore: Sang-e-Meel Publishers, 1985, p. 50.
17. Ibid, p. 74.
18. Bushra Rehman, Tuk Tuk Deedam Tokyo, Lahore: Watan Dost Ltd., 1989, p. 16.
19. Parveen Atif, Kiran Titli aur Bagoole, Lahore: Jang Printing Press, 1987, pp. 30–31.
20. Najma Iftikhar Raja, Sayonara, Multan: Beacon Books, 1989, p. 48.
21. Neelam Ahmed Basheer, Nepal Nama, Lahore: Al-Faisal Nashran, 2005, p. 80.
22. Raees Fatima, Mere Khwabon Ki Sar Zameen, Karachi: Naubahar Publications, 2008, p. 91.
23. Sabooha Khan, Mehwar Ki Talash, Karachi: Academy Bazyaft, 2017, p. 205.
24. Naeela Abid, Zauq-e-Siyahat, Lahore: Fiction House, 2022, p. 58.